



إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَأَنْ هُمْ لَا يَخْرُصُونَ (القرآن)

تَوَاتُرٌ عَلَىٰ يَأْيَاحِدٍ جَدِّي

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَكَّةُ الْمَدِينَةِ الْمَكِّيَّةِ



WWW.IRCPK.COM

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَأَنْ هُمْ لَا يَخْرُصُونَ (الفرقان)

تواتر عملی یا حیلہ جدلی

تالیف

علامہ الرشیدی

ابو محمد کبریا الدین

شیخ الاسلام علامہ رشیدی

مقدمہ

فصل اول
عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

ناشر

مکتبۃ التبلیغ والارشاد

میں کالونی، شیاری ضلع حیدرآباد، سندھ۔

سلسلہ مطبوعات و دعوت السلفیہ ۲۴

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	تواتر عملی یا حیلہ جدلی
مصنف	:	شیخ العرب والہجۃ علامہ سید ابو محمد بلج الدین شاہ براشدیؒ
تقدیم	:	پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
تعداد	:	1100 گیارہ سو
اشاعت دوم	:	جنوری 2001ء
قیمت	:	20 روپے
ناشر	:	مکتبۃ الدعوت السلفیہ
		مبین کالونی میاری

ملنے کا پتہ :

مکتبۃ الدعوت السلفیہ

بالمقابل جامع محمدی مسجد اہل حدیث

قلعہ دروازہ حیدر آباد سندھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض ناشر

الحمد لله والصلوة والسلام على من لا نبي بعده!

اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے انسان ذات کی ہدایت کیلئے اپنی طرف سے آفاقی پیغام ہدایت دے کر انبیاء کرام و رسل عظام کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے اس تعلیم کے اصول و مبادی کی توضیح و تشریح فرمائی اور اس میں کسی اور کے آراء و قیاس کے دخل کے تمام راستے مسدود کر دیئے تاکہ کوئی بھی دین متین میں اپنی من مانی تاویلیں نہ کر سکے اور کرے بھی تو اس کو قبولیت نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي

الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ (آل عمران: ۸۵)

”اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔“

یہی سبب ہے کہ جب بھی دین متین و شریعت محمدی ﷺ میں اس قسم کی دخل اندازیاں ہوئیں تو اہل حق علماء ان کی سخت کئی کے لئے میدان کارزار میں اتر آئے اور ان کا قلع قمع کر کے ہی دم لیا۔

نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد جب بھی کسی فتنہ نے سر اٹھانے کی کوشش کی تو ہر دور میں علماء کرام نے زبان و قلم سے ان کے خلاف جہاد کیا۔ ایسا ہی ایک فتنہ 1980ء میں کراچی سے رونما ہوا۔ جس کے بانی مسعود احمد علی ایس سی تھے۔ جس نے سب سے پہلے قرآن و حدیث کے روح پر وار کیا۔ اور اس میں من مانی تاویلیں کر کے سادہ لوح عوام کو اپنا ہموار بنانے کی کوشش کی اور قرآن و سنت

کی متبع جماعت (جماعت اہل حدیث) کو نشانہ بنایا اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین و محدثین کے خلاف زبان درازی کی اور اپنے علاوہ تمام امت مسلمہ پر کفر کا لیبل لگانے کی ناپاک کوشش کی، سلف کے اصولوں کے خلاف اپنے اصول وضع کیے۔ بقول پروفیسر عبداللہ بیہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ:

”فقہی اصول ان کے اپنے ہیں، جن کے تحت وہ نت نئے مسائل گھڑتے رہتے ہیں۔ بظاہر وہ قیاس کے منکر ہیں لیکن جب مطلب ہوتا ہے تو ابلیسی قیاس سے بھی دریغ نہیں کرتے۔“ (جماعت المسلمین اور اہل حدیث: ۳)

انہوں نے ایسا ہی ایک اصول تواتر عملی نامی وضع کر کے وضع الیدین بعد الركوع والوں کو ہدف تنقید بنایا۔ جبکہ وہ خود کتاب صلوٰۃ المسلمین اور تفہیم الاسلام وغیرہ میں اس اصول (تواتر عملی) کی تردید کر چکے ہیں۔ لیکن اپنے مطلب کی خاطر اپنے ہی موقف کی دھجیاں اڑا دیں۔ بقول کسی کہ:

”اپنے ہی ہاتھ سے اپنے آشیانہ کو آگ لگا دی۔“

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کو جنہوں نے مسعودی ایس سی کے اس مصنوعی مذہب اور اس کے اصولوں کا قلع قمع کیا اور خصوصاً اس تواتر عملی کو ۳۱ وجوہات سے رد کر دیا۔ یہ رسالہ کچھ عرصہ پہلے علامہ عبداللہ ناصر رحمانی (امیر جمعیت اہل حدیث سندھ) کے مقدمہ کے ساتھ کراچی سے شائع ہوا تھا جو کافی عرصہ سے ناپید تھا، اس کی افادیت کے پیش نظر مکتبۃ الدعوة السلفیہ مبین کالونی ٹیاری اس کے دوبارہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رسالہ کو شاہ صاحب مرحوم کے لئے نجات اور ہمارے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

والسلام

خادم العلم والعلماء

عبدالرحمن مبین

مدیر مکتبۃ الدعوة السلفیہ

مبین کالونی ٹیاری ضلع حیدر آباد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقدیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه واهل طاعته الى يوم الدين .

اما بعد!

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

زیر نظر رسالہ موسومہ ”تواتر عملی یا حیلہ جدلی“ استاذی المکرم علامہ السید ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی (رحمۃ اللہ) کی تصنیف ہے۔ رسالہ کے عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ کسی بھی مسئلہ کیلئے تواتر عملی کی دلیل کا سہارا لینا، بالخصوص اس وقت جبکہ اس کے مقابلہ میں نبی ﷺ کی حدیث موجود ہو۔ جدال و خصومت کے حیلے کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ دلیل بالکل بے حقیقت اور بے اصل ہے۔

جماعت المسلمین کے امیر جناب مسعود احمد صاحب فی - ایس - سی نے اپنی کتاب ”صلوۃ المسلمین“ میں اس قسم کی دلیل کا سہارا لیا ہے اور اس کچے سے دھاگے پر ”ارسال الیدین بعد الركوع“ کی بنیاد قائم کرنے کی کوشش کی ہے، ان کا اس دلیل سے استدلال قطعاً تعجب خیز نہیں ہے۔ جس قسم کا ان کا ذہن ہے اس سے ہر ندرت کی توقع رکھنی چاہئے، جہاں اور بہت سے شذوذ و تفردات ہیں اور جہاں اور کئی مقامات پر وہ مختلف مناقضات کا شکار ہوئے ہیں وہاں ایک اضافہ اور سہی، یہ سب علمی ثقافت و پختگی سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ جن کا علم سطحی ہو گا وہ اس قسم کی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ تواتر عملی سے استدلال صرف منکرین حدیث کا ہتھکنڈہ تھا۔

ان سے کہا جاتا کہ قرآن حکیم میں تمام احکام اجمالی ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ۔ لیکن ان کی تفصیلات سے آگاہی کیلئے لامحالہ حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ وہ جواب میں فوذا تواتر عملی اور تسلسل عملی کا سہارا لے لیتے ہیں۔ گویا انکار حدیث کی فکر کو تقویت دینے کیلئے منکرین حدیث نے تواتر عملی کا بت تراشا۔

خود جب برق صاحب نے ”دوا سلام“ میں تواتر عملی کا سہرا لیا تو مسعود صاحب نے ”تفہیم الاسلام“ میں برق صاحب کی اس دلیل کا خوب تعاقب کیا اور تواتر عملی کی دلیل کو بے وزن اور لغو قرار دیا اور اس کے مقابلے میں ان احادیث کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی جو روایتاً محفوظ اور مضبوط ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے غور فرمایا؟ کل تک اگر تواتر عملی کی دلیل سے منکرین حدیث نے استدلال کیا تو وہ مسعود صاحب کی زبان سے مطعون اور مردود قرار پائے اور آج محض اپنی مطلب براری، اپنی خواہش کی تکمیل، اور ہوئی نفس کی تسکین کی خاطر مسعود صاحب اپنے آپ کو منکرین حدیث سے بھی انتہائی خیس اور ذلیل درجے سے نیچے گرانے پر مجبور ہو گئے۔

منکرین حدیث نے اگر تواتر کا سہرا لیا ہے تو ان کے پاس ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ وہ حدیث کو نہیں مانتے۔ لیکن مسعود صاحب کو ایسی کوئی مجبوری لاحق تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ تحقیق کے نام پر خواہشات نفس کی ترجمانی کا انتہائی بدترین مظاہرہ اور نمونہ ہے۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (الباقیہ: ۲۳)

”بھلا آپ نے اس کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو الہ بتلایا ہے۔“ عرض کر چکا ہوں کہ ارسال الیدین کو ثابت کرنے کیلئے تواتر عملی کا سہرا اگر منکرین حدیث لیتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا۔ جو حدیث کو مانتے ہیں ان کیلئے وضع الیدین بعد الرکوع کی مشروعیت پر صحیح بخاری اور سنن نسائی کی حدیثوں کا عموم کافی ہے۔ مسعود صاحب کو چاہئے تھا کہ یا تو ان حدیثوں کے عموم کو توڑنے کیلئے کوئی شخص تلاش کر کے لاتے اور یا پھر شخص کے نہ ملنے کی صورت میں ان کے عموم کو تسلیم کر کے حدیث رسول کی حکمرانی قبول کر لیتے۔ لیکن افسوس! ایسا نہیں ہوا۔ یقیناً انہوں نے شخص تلاش کیا ہوگا۔ لیکن وہ شخص کہاں سے لاتے یہاں تو بڑے بڑے علماء عاجز آچکے ہیں۔ نہ کوئی لاسکا ہے اور نہ ان شاء اللہ کوئی لاسکے گا۔

وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (بنی اسرائیل: ۸۸)

”خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔“

مخصص کے نہ ملنے کی صورت میں حدیث کے عموم کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں تھا۔ مگر چونکہ یہ صورت نفس کی خواہش کے خلاف تھی لہذا اس سے صرف نظر کر کے اپنے ضمیر کے خلاف، اپنے مسلک کے خلاف اور اپنے عقیدے کے خلاف ایک ایسی دلیل کا سہارا لیا، جس دلیل کا سہارا منکرین حدیث لیتے ہیں اور جس دلیل کا سہارا لینے پر وہ منکرین حدیث کا رد بھی کر چکے ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ قلم کی روانی میں نبی ﷺ پر بھی افتراء قائم کر گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”آبائی تقلید میں وہ عمل گمراہی ہوتا ہے جس کا سلسلہ کسی نبی تک نہیں پہنچتا ہو.....“

نیز فرماتے ہیں:

جو کام رسول ﷺ سے عملاً متواتر چلا آرہا ہو..... الخ ان عبارات سے مسعود صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ارسال الیدین کا سلسلہ نبی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اور نیز یہ کہ ارسال الیدین بعد الركوع نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔ کتنا بڑا افتراء اور اتہام ہے۔ مسعود صاحب کس حدیث کے ذریعے آپ ارسال الیدین کے عمل کو نبی علیہ السلام تک پہنچائیں گے؟ اور وہ بھی متواتر حدیث؟ وہ حدیث آپ نے کیوں نہیں ذکر فرمائی؟ اور ایسی کونسی مجبوری یا پریشانی تھی جس نے حدیث کے ترک کرنے اور تواتر عملی جیسی موہوم اور لایعنی دلیل سے استدلال کرنے پر مجبور کر دیا۔

القصة! مسعود صاحب اپنی اور اپنے مریدین کی خواہش کی تحمیل کی خاطر تین فحش غلطیاں کر گئے۔

(۱) وضع الیدین بعد الركوع کی احادیث کا انکار۔

وهو ثابت باحادیث كثيرة منها عموم حدیث وائل بن حجر اخرجہ النسائی فی سننه بسند ثابت و منها عموم حدیث اخرجہ البخاری فی صحیحه من حدیث سهل بن سعد و الاستدلال بالعمومات امر مسلم متفق علیہ بین العلماء

(۲) دوسری غلطی یہ کر گئے کہ ارسال الیدین بعد الرکوع کی نسبت نبی علیہ السلام تک کردی اور وہ بھی حدیث متواتر کے ذریعے

وقد ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتواتر انه قال: من کذب علی متعمداً فلیتبعوا مقعده من النار (مسلم کتاب الایمان)
یہ بات نبی ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:
”جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“

(۳) تیسری غلطی یہ کہہ کر کی۔ ”لہذا یہ کہنا صحیح ہے کہ رکوع کے بعد کبھی ہاتھ باندھے ہی نہیں گئے ہمیشہ ہاتھ چھوڑے گئے۔۔۔ الخ“

کتنی بڑی جسارت ہے اور کتنا بڑا جھوٹ ہے سب حنابلہ اور محلی لن حزم کا مطالعہ کیجئے۔ بڑے ثقہ محدثین وضع پر عمل کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

بہر حال میں اس مقدمہ کو طول دینا نہیں چاہتا۔ زیر نظر رسالہ میں محترم شاہ صاحب نے جناب مسعود صاحب کی تواتر عملی والی دلیل کا انتہائی تفصیلی تجزیہ فرمایا ہے۔ اور اکتیس (۳۱) وجوہات سے اس موہوم دلیل کا باطل ہونا ثابت کیا ہے۔ اس سے پہلے ”انہی کا منہ انہی کا طمانچہ“ کے مصداق مسعود صاحب کی عبارات سے ہی تواتر عملی کا باطل اور غیر موثر ہونا ثابت فرمایا ہے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے جہاں تواتر عملی کی دلیل کی حقیقت واضح ہو جائیگی۔ وہاں جماعت المسلمین کے امیر صاحب کے مناقضات کا ایک نمونہ اور جھلک بھی نظر آئیگی۔

اللہ تعالیٰ محترم شاہ صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائے، اور ہم سب کو دین حق سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

والسلام

عبد اللہ ناصر رحمانی

(امیر جمعیت اہل حدیث سندھ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

اما بعد!

رکوع کے بعد قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کے مسئلہ پر ہم مختلف رسائل لکھ چکے ہیں اور یہ مسئلہ بھی الحمد للہ مبرہن ہو چکا ہے اور نہ باندھنے والوں کے پاس اب سواء حیلہ اور آئیں بائیں شائیں کے کچھ بھی نہیں ہے، خاص طور پر ایک موہوم دلیل کا نام لیتے ہیں جس کا نہ سر ہے نہ پیر اور اس کا نام ہے۔ ”تواتر عملی“۔

ہم اس دلیل پر ایک مختصر رسالہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں امید ہے کہ اہل انصاف اس دلیل کی حقیقت معلوم کریں گے۔
ناظرین! ایک مصنف لکھتا ہے۔

رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والوں سے ایک فیصلہ کن سوال

ہاتھ باندھنے والوں کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے تھے۔ ہم اسے تسلیم کئے لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہاتھ باندھتے تھے تو صحابہ کرام بھی ہاتھ باندھتے ہوئے پھر تابعین بھی ہاتھ باندھتے ہوئے۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا ہوگا۔ ہمارا سوال یہ کہ ہمیں وہ موڑ بتایا جائے جس موڑ پر پہنچ کر لوگوں نے ہاتھ باندھنے کے فعل کو یک لخت چھوڑ دیا، کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی، نہ محدثین نے اس سلسلہ میں کوئی جز تالیف کیا اور نہ اپنی کتابوں میں اس مضمون پر باب باندھے۔ ہر سنت جب چھوڑی گئی اس کے خلاف آواز اٹھی، اختلاف ہوا۔ لیکن یہ کیسی سنت تھی کہ سب نے اسے چھوڑ دیا اور کسی ایک نے بھی اس ترک سنت کے خلاف آواز نہیں اٹھائی ایک متواتر سنت کو چھوڑ کر خلاف سنت عمل شروع کر دیا۔ سنت کی جگہ بدعت نے لے لی اور سب خاموش رہے، یہ کیسے ممکن ہے؟

خلاصہ

ہم نے جس موڑ کے متعلق سوال کیا ہے ظاہر ہے کہ ہاتھ باندھنے والوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ باہمی مذاکرہ میں وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکے، لہذا یہ کہنا صحیح ہے کہ رکوع کے بعد کبھی ہاتھ باندھے ہی نہیں گئے، ہمیشہ ہاتھ چھوڑے گئے۔ اور یہی عمل رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے قرناً بعد قرن اور نسلاً بعد نسل تسلسل اور تواتر کے ساتھ منتقل ہوتا رہا اور آج اسی تواتر عملی پر ہمارا عمل ہے جو کام رسول اللہ ﷺ سے عملاً متواتر چلا آ رہا ہو۔ اس پر آبائی تقلید کا طعن اہل علم کے شایان شان نہیں۔ آبائی تقلید میں وہ عمل گمراہی ہوتا ہے جس کا سلسلہ کسی نبی تک نہیں پہنچتا ہو۔ مزید برآں ہاتھ چھوڑنے کا عمل پوری امت کا متواتر عمل ہے اس کو آبائی تقلید سے دور کا بھی واسطہ نہیں (صلوٰۃ المسلمین ص ۳۸۸ تا ۳۹۱ سال طباعت ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۲ء شائع کردہ جماعت المسلمین۔ ۵۹۱/۲ منصورہ کراچی۔ ۳۸۰۳)

ناظرین! تفصیلی جواب سے پہلے خود اس مصنف کی طرف سے جواب، جو گرم گرم ہے، پیش کیا جاتا ہے۔

غلط فہمی

دوم: رسول اللہ ﷺ کو لاکھوں مسلمانوں نے نماز پڑھتے دیکھا۔ انہیں کروڑوں نے، اور یہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا، کیا ان ارب کھرب انسانوں کی شہادت کافی نہیں؟ کیا دیہاتی مسلمان صحیح بخاری سے نماز کا طریقہ سیکھا کرتے ہیں؟ جس طریقہ سے ہمارے آباء واجداد نماز ادا کرتے رہے، ہم نے وہ سلسلہ جاری رکھا اور اب ہماری (اولاد) ہماری نقل اتار رہی ہے۔ یہاں صحیح بخاری کی ضرورت ہی کہاں پیش آتی ہے۔ کشمیر کی ساری وادی میں غالباً صحیح بخاری کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہوگا، پھر بھی وہ نہایت صحت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (دوا سلام: ۱۲۵)

ازالہ

یہ جواب خود برق صاحب کے خلاف ہے، یعنی حدیث کی کلمات، حدیث کی حفاظت کے لئے لازمی شے نہیں، بلکہ حدیث پر جو عمل تواتر سے ہر زمانہ میں ہوتا رہا یہی اس کی اصل حفاظت ہے اور یہ ایسی حفاظت ہے کہ تقریباً پورا قرآن مجید اس حفاظت میں احادیث کی برابری نہیں کرتا، برق صاحب کی اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحیح بخاری ہو یا نہ ہو، احادیث عملاً محفوظ ہیں اور جس طرح آج تواتر کی وجہ سے محفوظ ہیں صحیح بخاری کی تالیف سے پہلے بھی تواتر کی وجہ سے اسی طرح محفوظ تھیں، لہذا یہ اعتراض کہ صحیح بخاری کی تالیف سے پہلے ڈھائی سو سال گزر چکے تھے، اس طویل زمانہ میں حفاظت حدیث کا کوئی انتظام نہ تھا، اور یہ کہ تمام احادیث غیر محفوظ تھیں اس لئے ناقابل اعتماد ہیں۔ خود خود کا عدم ہو جاتا ہے، اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ صحیح بخاری کی تالیف کے وقت بھی احادیث عملی تواتر کی وجہ سے محفوظ تھیں۔ امام بخاری نے انہی محفوظ احادیث کو روایہ اور سنداً بھی محفوظ کر لیا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ امام بخاری پہلے آدمی نہیں ہیں، جنہوں نے احادیث کو لکھ کر محفوظ کر لیا بلکہ ہر دور میں یہ کام تواتر سے ہوتا رہا، اور احادیث روایت بھی تواتر کے ساتھ نقل ہوتی رہیں۔ الا ماشاء اللہ

سوال

برق صاحب! مالکی اور شیعہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں اور باقی فرقے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ مالکیوں اور شیعوں نے یہ طریقہ سلسلہ سلسلہ اربوں، کھربوں انسانوں کے عملی تواتر سے اخذ کیا باقی فرقوں نے بھی اپنا طریقہ عملی تواتر سے حاصل کیا، تو اب بتائیے کونسا عمل صحیح تواتر ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک صحیح ہے دوسرا غلط، تو کیا پھر تواتر کی اہمیت کچھ باقی رہ جائے گی؟ حالانکہ آپ نے

اپنے اعتماد کی ساری عمارت تواتر کی بنیاد پر ہی کھڑی کی ہے، اگر آپ فرمائیں کہ دونوں تواتر صحیح ہیں تو پھر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کبھی دوسرے تواتر پر بھی آپ نے عمل کیا، اگر نہیں تو کیوں؟ کیا ایک طریقہ کو اختیار کرنا اور دوسرے کو مطلقاً چھوڑ دینا مناسب ہے؟

برق صاحب! پھر ان متواتر اعمال میں بعض ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثلاً ایک ہی چیز ایک فرقہ کے ہاں حرام ہے، دوسرے کے ہاں حلال، ایک ہی چیز ایک فرقہ کے ہاں پاک ہے دوسرے کے ہاں ناپاک، ایک فرقہ کے نزدیک زیور پر زکوٰۃ فرض ہے، دوسرے کے ہاں نہیں۔ تو اب بتائیے کیا دونوں تواتر صحیح ہیں؟ حلال بھی عملی تواتر سے ثابت ہے، اور حرام بھی عملی تواتر سے ثابت ہے، اور دونوں صحیح یہ کس قدر مضحکہ خیز ہے، اس مضحکہ خیز اختلاف کو دور کرنے کا ایک طریقہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان احادیث کو دیکھا جائے جو روایہ محفوظ اور منضبط ہیں کہ آخر وہ کس کی تائید کرتی ہیں، بس جس کی وہ تائید کریں وہ صحیح ہے اور دوسرا غلط ہے، یہ ہے وہ مقام جہاں کتب حدیث کی ضرورت پڑتی ہے، اور ان کے بغیر چارہ نہیں۔ دوسری بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ عملی تواتر کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں مثلاً تعزیہ پرست تعزیہ کو عملی تواتر کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ جب جواب دیتے ہیں تو یہی جواب دیتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد سے ایسا ہوتا آیا ہے لہذا ہم تو یہی کریں گے خواہ آپ ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات تلاوت کریں یا احادیث سنائیں، ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور اگر ہوگا تو اس صورت میں ہوگا کہ وہ اپنے عملی تواتر کو مسترد کر دیں۔

برق صاحب کا یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ وادی کشمیر میں صحیح بخاری کا کوئی نسخہ موجود نہیں، صحیح بخاری تو کیا وہاں کے کتب خانوں میں، صحاح ستہ تک محفوظ ہیں، اور نہ صرف کتب خانوں میں بلکہ بہت سے علماء کے پاس یہ کتابیں موجود ہیں۔

پھر یہ خیال بھی صحیح نہیں، کہ کشمیری نہایت صحت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، صحت تو کجا سو میں سے ایک بھی مشکل صحیح نماز پڑھ سکتا ہے، جمالت، تقلیدی بدشوں اور تعافل کا دور دورہ ہے۔

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (الروم: ۳۲)

”ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔“

کا نقشہ نظر آتا ہے۔ (تفہیم الاسلام ص ۲۲۳ تا ۲۲۴ اشاعت ثانی سال طباعت ۱۹۸۲ مطابق ۱۴۰۲ھ شائع کردہ جماعت المسلمین)

ناظرین! اب دونوں عبارتوں کو بار بار پڑھیں ایک اونچی عمارت بنا کر خود اسکو گراتے ہیں خود دعویٰ کرتے ہیں خود فرماتے ہیں کہ !
”عملی تواتر کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں“

پھر عملی تواتر کو ارسال کے لئے بطور دلیل پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور فرماتے ہیں کہ :

”تقریب پرستی وغیرہ کرنے والوں کی دلیل بھی اس قسم کی ہے۔“

ثابت ہوا کہ ارسال اور تقریب پرستی کرنے والوں کی دلیل ایک قسم کی ہے اور خود مانتے ہیں کہ شیعہ اور مالکی وغیرہ جو رکوع سے پہلے ہاتھ کھول کر پڑھتے ہیں ان کی دلیل بھی تواتر عملی ہے اسی طرح سب فرقوں کی دلیل تواتر عملی ہے۔ پھر ارسال والوں نے اس سے استدلال کیا تو کونسی بڑی بات ہے اور خود فرماتے ہیں کہ :

”تقریب والوں سے جب پوچھا جاتا ہے تو یہی جواب دیتے ہیں۔“

تو معلوم ہوا کہ ارسال والوں نے انہی سے اخذ کیا ہے۔ فالملقلد ذہل

والملقلد جہل۔

الغرض : اس دلیل کی تردید کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ خود اس سے استدلال کرنے والا کئی وجوہ سے اس کو رد کرتا ہے اب اس کے بعد ہم صلوٰۃ المسلمین کی عبارت کا

جائزہ لیتے ہیں۔

اولاً: تواتر کیلئے شرط ہے کہ مسموع ہو یعنی جو دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے استاد سے سننا نقل کرے اور وہ اپنے استاد سے اور وہ دوسرا اپنے استاد سے یہاں تک کہ یہ سلسلہ صحابہ کرام تک پہنچے اور ایک دوسرے سے سنتے آئیں کہ رکوع کے بعد ہاتھ کھولنے چاہئیں یا مشاہدہ ہو یعنی ارسال کا مدعی ثقہ اور معتبر ہو اور حدیث پر ایمان اور پختہ یقین رکھتا ہو۔ وہ اپنے ثقہ استاد سے نقل کرے کہ وہ رکوع کے بعد ہاتھ کھولتا تھا۔ اور وہ اپنے استاد سے اس طرح دیکھنا نقل کرے یہاں تک کہ سلسلہ مسلسل صحابہ کرام تک پہنچے اور درمیان میں کوئی راوی مجروح یا ضعیف نہ ہو بلکہ سب ثقہ اور معتبر ہوں اسماء رجال کی کتب میں ان کا حال اور تعدیل و توثیق مذکور ہو۔ چنانچہ شرح الحجۃ ص ۸ میں ہے :

وان یکون مستند انتھائہ الامرالمشاهد والمسموع لا ما ثبت
بقضیۃ العقل الصرف۔

”اور یہ کہ اس کی استناد کی انتہا کسی امر مشاہد پر یا امر مسموع پر ہو۔ محض عقل سے ثابت نہ ہو۔“

ثانیاً: فقہاء کے نزدیک دلیل چار قسم ہیں :

قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ اگرچہ ان میں بھی اختلاف کرتے ہیں مگر یہ پانچویں دلیل جس کو تواتر عملی کہتے ہیں، کسی نے ذکر نہیں کیا اور ان چار میں سے کسی کا بھی تواتر عملی نام نہیں۔

ثالثاً: اگر کسی تواتر کیلئے اجماع ہے تو یہ خطا واضح ہے اس لیے کہ سلف و خلف میں عمل پایا جاتا ہے، ہمارے رسائل زیادة الخشوع وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔

رابعاً: رسول اللہ ﷺ کے بعد مسائل بدلتے رہے جس طرح امام ابن قیم اعلام المؤمنین ص ۷۶ تا ۷۷ ج ۳ میں ایسے کئی مسائل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

ولو تركت السنن للعمل لتعطلت سنن رسول الله ﷺ ودرست رسومها وعفت آثارها ، وكم من عمل قد اطرده بخلاف السنة الصريحة على تقادم الزمان والى الآن وكل وقت تترك السنة ويعمل بخلافها ويستقم عليها العمل فتجد يسيراً من السنة معمولاً به على نوع تقصير واخذ بلا حساب ماشاء الله من سنن قد أهملت وعطل العمل بها جملة فلو عمل بها من يعرفها لقال الناس تركت السنة."

"پس اگر اس طرح بعد کے عمل لے کر سنتوں کو چھوڑنا شروع کیا تو شاید کوئی سنت بھی تمہارے ہاتھ میں نہ رہ سکے ساری سنتیں اس طرح تو مٹ جائیں گی ان کے نشان بھی ناپید ہو جائیں گے۔ آہ! کس سے کہیں کس کے پاس اپنا دھک لے جائیں بیسیوں سنتیں ہیں جو اس آؤ میں ترک کر دی گئی ہیں، پہلے بھی یہ ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ دھڑا دھڑا حدیث چھوٹی ہے اور اس کے خلاف ہر عمل ہوتا ہے پھر وہی عمل جم جاتا ہے اور سنت ان جان بن جاتی ہے۔ بہت کم سنتیں اپنی جگہ پر رہ گئی ہیں ورنہ یا تو خلاف ہوا یا کسی بیشی ہوئی تم بے حساب سنتیں ایسی حالت میں پاؤ گے کہ وہ مہمل اور معطل ہو گئی ہیں ان پر سے عمل چھوٹ گیا ہے، بدعتوں نے کچھ بری طرح اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں کہ آج اگر کوئی نیک دل خدا ترس سنت پر عمل کرنے کو کھڑا ہو تو لوگ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے سنت چھوڑ دی۔"

پس جبکہ ثبوت حدیث سے ہے تو پھر یہ عذر بے کار ہے عمل کیسے چھوٹا کیونکہ حکم ہے کہ :

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (الاسراء : ۳۶)

"جس بات کی تمہیں خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔"

بلکہ ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ مرفوع احادیث و آثار صحابہ و تابعین میں ارسال کا نہیں بلکہ صرف وضع کا ذکر ملتا ہے۔

خامساً: یہ عذر وہاں معتبر ہو سکتا ہے جس مسئلہ کے متعلق نصوص شرعیہ میں کوئی ہدایت وارد نہ ہو خلاف ما نحن فیہ۔

یہاں چونکہ ہدایت وارد ہے اور عموم بھی ہدایت ہے پس عمل کا چھوٹ جانا یا چھوڑ دینا برابر ہے۔

سادساً: امام احمد بن حنبل کا مذہب اس باب میں اختیار کا ہے، وضع کرے یا ارسال جیسا کہ ہم نے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے اور اعلام الموقعین ۱: ۳۱ میں امام موصوف کا قاعدہ مذکور ہے۔

”الاصل الثالث من اصولہ اذا اختلف الصحابة تخیر من اقوالهم ماکان اقربها الى الكتاب والسنة ولم يخرج من اقوالهم فان لم يتبين له موافقة احد الاقوال حکى الخلاف فيها ولم يجزم بقول“
تیسرا اصول امام صاحب کا یہ تھا کہ جب صحابہ میں کسی مسئلے میں اختلاف پاتے تو جس کا قول آپ کو کتاب و سنت کے قریب معلوم ہوتا لے لیتے لیکن ان اقوال کے باہر نہیں جاتے تھے۔ اور اس صورت میں اگر آپ کو کسی قول کی ترجیح کی کوئی وجہ نہ ملتی۔ تو پھر آپ ان مختلف اقوال کو ذکر کر دیتے اور کس قول پر زور نہ دیتے۔ (اعلام الموقعین اردو ۱: ۲۳)

پس امام صاحب کا اختیار دینا بالکل واضح کرتا ہے کہ سلف میں مختلف فیہ عمل تھا اور چھوٹ نہیں گیا تھا۔ دراصل اس طرح تواتر کا دعویٰ کرنا اور ثبوت موجود نہ ہو یہ کوئی شرعی دلیل نہیں کیونکہ یہی تو ان کفار کی دلیل تھی۔

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ.

اگر بقول ثماویٰ حق ہے جو آپ کہتے ہیں تو ہمارے اسلاف سے یہ عقیدہ کیسے چھوٹ گیا؟ یہ تواتر کا یہانہ تو انہی کا تھا۔

سابغاً: یہ تو اتر کا دعویٰ بھی اپنے علم کی بناء پر ہے، نہ کسی روایت کی بناء پر۔

ومن المعلوم ان عدم العلم ليس علما بالعدم۔

ثامناً: طلاق ثلاثہ کا مسئلہ لیجے آٹھویں صدی تک چھوڑ دیا گیا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اسکو پھر اٹھایا اور امام موصوف اور اس کے تلمیذ رشید دونوں نے باوجود وسیع علم و کثیر اطلاع کے بوی کوشش کی کہ سلف سے اس کا ثبوت پیش کریں۔ مگر چند محدود ثبوت، مذاہب اربعہ سے ثابت کر سکے۔ اس طرح مسئلہ فیما نحن فیہ میں سلف سے علماء کے اقوال ملتے ہیں مگر جب کہ اصل چیز نصوص میں موجود ہے تو پھر عمل کا جاری رہنا یا نہ رہنا دوسری بات ہے، چھوٹ جانے کے کئی اسباب ہوتے ہیں اور وہ اصل مسئلہ پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

تاسعاً: مابقیہ کے ہاں وضع پر عمل بالکلیہ متروکہ ہے تو کیا وہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل کافی ہے؟ اگر صحابہ و تابعین کا عمل علی الوضع ہوتا تو اہل مدینہ سے کیسے چھوٹ جاتا؟ نہیں یہ عذر ان کا قابل التفات نہیں لہذا ہم کہیں گے کہ حدیث موجود ہے، خود موطا میں مروی ہے پھر صحابہ کے آثار موجود ہیں۔ لہذا ترک وعدم ترک کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح امام محمد بن نصر مروزی رفع الیدین کے متعلق فرماتے ہیں کہ :

اجمع علماء الا مصار علی مشروعیة ذالك الا اهل الكوفة

(فتح الباری ۲: ۲۰۱-۲۱۹ وفی اعلام الموقعین ۲: ۲۶۷)

کوفہ والوں کے علاوہ تمام شہروں کے علماء کا رفع الیدین کی مشروعیت پر اجماع ہے۔

وہو عمل کان رأى عین..... ثم صار العمل بخلافه

مختصر کیا کوفہ میں صحابہ نہیں تھے تابعین نہیں تھے؟ لیکن بعد میں یہ

عمل کیوں چھوٹ گیا؟

عاشراً: تو اتر جس کا نام لیا جا رہا ہے وہ بذات خود کوئی دلیل نہیں نہ مدعی کے لئے نہ منکر کیلئے بلکہ اس مسئلہ میں مویذ ہو سکتا ہے، جسکا نصوص شرعیہ سے ثبوت

ہو، نہ کہ وہ بذات خود مستقل دلیل ہے۔

الحادی عشر: امام ترمذی نے ایک حقیقت ذکر کی ہے جو ان کی تحقیق کے مطابق واقعی ایک حقیقت ہے وہ اپنی سنن ”الترمذی“ کے آخر ص ۲۵۷ کتاب العلل میں فرماتے ہیں کہ :

جميع ما في هذا الكتاب من الحديث هو معمول به وبه اخذ بعض اهل العلم ما خلا حديثين حديث ابن عباس ان النبي ﷺ جمع بين الظهر والعصر بالمدينة والمغرب والعشاء من غير خوف ولا سفرو ولا مطر وحديث النبي ﷺ انه قال اذا شرب الخمر فاجلدوه فان عاد في الرابعة فاقتلوه وقد بينا علة الحديثين جميعاً في الكتاب.

”حدیث میں سے جو کچھ اس کتاب میں ہے وہ معمول بہ ہے۔ بعض اہل علم نے سوائے دو حدیثوں کے اس کے ساتھ تمسک کیا ہے۔ ایک حدیث ابن عباس کی کہ نبی ﷺ مدینہ میں ظہر اور عصر اور مغرب و عشاء کو بغیر خوف، سفر اور بارش کے جمع کیا۔ اور نبی ﷺ کی دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ : جب کوئی شراب پیئے تو اس کو کوڑے مارے جائیں پھر بھی اگر چوتھی بار پیئے تو اس کو قتل کر دو۔ ہم نے کتاب میں دونوں حدیثوں کی علت بیان کر دی۔“

اگر امام موصوف کا یہ قول تسلیم کیا جائے تو کیا اصل حدیث کی صحت پر صرف اس وجہ سے قدر لازم آئے گا؟ حاشا کلا۔ ہاں اگر کوئی تعلیل کی صورت ہو تو اور بات ہے بلکہ یہاں بھی علامہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوزی (۴: ۳۸۴) پر امام ترمذی کے اوپر بھی اعتراض کیا ہے وہ سنن ترمذی ص ۲۵۷ کی آخر میں کتاب العلل میں فرماتے ہیں کہ :

وما طريق ثبوت عدم اخذ اهل العلم به الخ (اہل علم نے اسکو نہیں

لیا تو اس کا کیا ثبوت ہے) کذا نقلہ عن صاحب دراسات اللیبیب۔

اس طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ وما طریق ثبوت ترك الوضع بعد الركوع عن الجميع اگر کو گئے نظر نہیں آ رہا تو ہم کہیں گے کہ اس بنا پر تو امام ترمذی نے ترک العمل کا ذکر کیا لیکن پھر بھی اس سے ثبوت طلب کیا جا رہا ہے بلکہ حدیث الجمع بین الصلوٰتین تو صحیح مسلم کی بھی ہے پس ہم پوچھتے ہیں کہ کیسے اس پر عمل چھوٹ گیا۔ فما هو جوابك فهو جوابنا فان قلت قلنا كذا لك فيما نحن فيه۔ سب سے ترک العمل ثابت نہیں بلکہ بعض سے عمل مروی و ثابت ہے۔

الثانی عشر: تواتر کے قائل ارسال کیلئے اجماع کے مدعی ہیں یا اکثریت کے۔ علی الاول: وہ مکلف ہے کہ نام گنوائے اسی بناء پر امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

ما يدعى فيه الرجل الاجماع هو الكذب، من ادعى الاجماع فهو كذاب

لعل الناس قد اختلفوا ما يدريه ولم ينتبه اليه (الاحكام: ۵۴۲)

اور کسی مسئلے میں اجماع کا دعویٰ کیا جائے تو وہ جھوٹ پر مبنی ہے اور اگر کسی نے کسی مسئلے میں اجماع کا دعویٰ کیا تو وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کا اس مسئلے میں اختلاف ہو اور اس کا اس کو علم نہ ہو اور وہ اس سے بے خبر ہو۔

علی الثانی: بلکہ سلف میں ایسے کئی مسائل ملتے ہیں کہ ان سے قبل ایسا کوئی قول نہیں ملتا۔ ابن حزمؒ ”الاحکام“ (ص ۵۴۳) میں فرماتے ہیں کہ:

وقد ذكر محمد بن جرير الطبري انه وجد للشافعي اربعمائة

مسألة خالف فيها الاجماع وهكذا القول حرفا حرفا في اقوال ابن

ابي ليلى وسفيان والاوزاعي وزفر وابي يوسف و محمد بن

الحسن والحسن بن زياد واشهب وابن الماجشون والمزني و ابي

ثور واحمد واسحاق وداود ومحمد بن جرير مامنهم احد الا وقد

صحت عنه اقوال في الفتيا لا يعلم احد من العلماء قالها قبل ذلك

القائل ممن سمینا واكثر ذالك فيما لا شك في انتشاره و اشتهاؤه۔
 ”امام طبرئی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے امام شافعیؒ کے چار سو مسائل ایسے پائے ہیں جن میں انہوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔ اور امام ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام زفر، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، حسن بن زیاد، اشہب بن ابن ماجشون، امام مزنی، ابو ثور، احمد، اسحاق، ابو داؤد اور محمد بن جریر (رحمہم اللہ علیہ اجمعین) کے اقوال کے متعلق بھی بالکل اسی طرح کی رائے ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ میں ایسے اقوال ثابت ہیں، جنہیں ان سے قبل کسی عالم نے نہیں کہا اور ان میں بیشتر اقوال ایسے مسائل میں ہیں، جن کے مشہور ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔“

الثالث عشر: ظاہر ہے کہ یہ انکے اقوال انکے اجتہاد کی بناء پر ہیں اب ان کے اجتہاد کو اس طرح رد کرنا کہاں تک درست ہے۔ جس نص سے انہوں نے یہ مسائل لئے ہیں، ان سے قبل صحابہ یا تابعین سے اس پر عمل کیسے چھوٹ گیا حاشا وکلا۔ یہ بالکل نامعقول سوال ہے۔ ہاں! اگر کوئی نص معارض ہو یا جس نص سے استدلال کیا جاتا ہے اس پر اعتراض ہو یا عموم سے تخصیص کے لئے کوئی اور نص پیش کی جائے نہ کہ ایک موہوم چیز کا سہارا لیا جائے۔

الرابع عشر: ہمارا مسئلہ صریحاً منصوص ہے۔ مندرجہ ذیل دو حدیثوں پر غور فرمائیں۔

(۱) حدیث ابی ہریرۃ: ثم يقول سمع الله لمن حمده حين يرفع

صلبه من الركوع ثم يقول وهو قائم ربنا لك الحمد (البخاری

۱۰۹:۱ - باب التكبیر اذا قام من السجود كتاب الصلوة. رقم

الحديث. ۷۸۹)

پھر فرماتے سمع اللہ لمن حمده جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے پھر

کھڑے ہو رہنا ولك الحمد کہتے۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ بعد الركوع، کھڑا ہونے والا۔ ”قائم“ ہے۔
یہ نص صریح ہے، کوئی تاویل نہیں، اشارہ نہیں، اقتضاء نہیں اور کھینچ تان نہیں۔

(۲) حدیث وائل بن حجر: اذا كان قائما في الصلوة قبض يمينه

على شماله (النسائی ۹۰:۱) باب وضع اليمين على الشمال في

الصلوة - كتاب الصلوة رقم الحديث. ۸۸۸

”وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ

جب نماز میں کھڑے ہوتے تو داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھتے۔“

یہ حدیث اس باب میں نص صریح ہے کہ نماز میں قائم کیلئے یہی حکم ہے
کہ وضع اليمين على الشمال ہو۔ یہاں بھی کوئی تاویل وغیرہ نہیں نص کیخلاف
امت میں اجماع واقع ہوتا یا بالکل وہ متروک العمل ہو جائے یہ ناممکن اور محال ہے۔

كما بينه في الاحكام (ص ۴۹۵)

الخامس عشر: الحلی (۴: ۱۱۲ تا ۱۱۴) میں ہے۔

قال ويستحب ان يضع المصلي يده اليمنى على كوع يده اليسرى

في الصلوة في وقوفه كله فيها۔

”انہوں نے کہا کہ مستحب ہے کہ نمازی ہر وقوف میں اپنا سیدھا ہاتھ

اٹے ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔“

امام ابن حزم بتمصريح بتارہے ہیں کہ نماز میں ہر وقوف، کھڑے ہونے
کی حالت میں ہاتھ باندھنے ہیں اس کے بعد مرفوع و موقوف دلائل ذکر کر کے
فرماتے ہیں:

وروينا فعل ذلك عن ابي مجلز ابراهيم النخعي وسعيد بن جبیر و

عمرو بن ميمون و محمد بن سيرين وايوب السخيتاني وحماد بن

سلمة انهم كانوا يفعلون ذلك وهو قول ابي حنيفة والشافعي و

احمد و داؤد۔ (ايضاً ص: ۱۸)

”ہم نے یہ عمل اہل مجلو ابراہیم النخعی، سعید بن جبیر، عمرو بن میمون، محمد بن سیرین، ایوب السخیتی، حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ یہ عمل کرتے تھے۔ اور یہی ابو حنیفہ اور شافعی اور احمد اور داؤد کا قول ہے۔“

امام موصوف کی اس عبارت سے واضح ہے کہ یہ عملی تواتر ختم نہیں ہوا بلکہ کافی زمانہ تک جاری رہا۔ پس یہ اعتراض بے معنی ہے۔

السادس عشر: علی التقدیر بالفرض ہم تسلیم کر لیں کہ عمل چھوٹ گیا تو کیا اس سے استدلال باطل ہوگا یا حدیث معلول ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہیں تھا، تو بھی کوئی اعتراض نہیں رہتا۔ اس لئے کہ مسئلہ حدیث سے لیا جاتا ہے اجتہاد ہر زمانہ میں جائز اور جاری ہے جب بھی کوئی مسئلہ نصوص سے سمجھ میں آئے، تو قابل عمل ہوگا، اگر روایت معترضین کی نظر میں صحیح نہیں ہے تو اس پر کلام کریں یا استدلال صحیح نہیں تو اس پر تنقید کریں۔ لیکن یہ حق نہیں کہ بھول ان کے اعتراض پایا جاتا ہے لہذا حدیث سے یہ مسئلہ نہیں نکلتا کیونکہ: ”کم ترک الاول للآخر“ مسلم ہے۔

اور امام شوکانی ارشاد الخول (ص: ۲۵۴) میں فرماتے ہیں کہ:

فلا اجتہاد علی المتأخرین ایسروا سهل من الاجتہاد علی

المتقدمین ولا یخالف فی هذا من له فهم صحیح وعقل سوی۔

”پس! اجتہاد زیادہ آسان ہے متاخرین کیلئے بحسب متقدمین کے، اور مخالفت

نہیں کریگا اس بات میں وہ شخص جس کو صحیح سمجھ اور عقل سلیم ہے۔“

السابع عشر: ایضاً خود معترض کے یہ الفاظ ہیں۔ کہ اگر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ و تابعین کا بھی عمل تھا تو یہ تواتر لوگوں سے کیسے ختم ہوا؟ اس کا جواب اتنا ہی کافی ہے کہ ختم نہیں ہوا ہے اور بخاری شریف میں امام زہری سے مروی ہے کہ:

دخلت علی انس بن مالک بدمشق وهو یبکی فقلت: ما یبکیک؟ فقال

لا اعرف شیئاً مما ادرکت الا هذه الصلاة وهذه الصلاة قد ضیعت

(کتاب الصلوة باب تضييع الصلاة عن وقتها رقم الحديث)
 ”وہ بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے
 پاس آیا۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کس بات پر آپ
 رو رہے ہیں؟ فرمایا نبوی دور کی صرف نماز ہی ہمارے پاس باقی رہی تھی
 اور وہ بھی ضائع ہوتی دیکھ رہا ہوں۔“

پس جبکہ خود صحابہ کے زمانے میں یہاں تک ضیاع آگیا کہ صحابہ کرام
 حسرت کرتے اور روتے تھے تو بعد میں کئی تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں اگرچہ امام
 بخاری نے اس پر ”باب تضييع الصلاة عن وقتها“ منعقد کیا ہے مگر الفاظ عام ہیں
 اس روایت سے قبل اس باب میں امام بخاری نے جو روایت لکھی ہے اس میں یہ
 الفاظ ہیں کہ :

اليس قد صنعتم ما صنعتم فيها (بخاری)
 نیز اگر خاص ”التضييع عن الاوقات“ مراد ہے تو بھی وہی سوال ہے کہ
 جب نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد پھر خلفاء راشدینؓ
 کے عہد میں اوّل وقت میں اہتمام سے نماز پڑھی جاتی تھی تو پھر یہ تواتر کیسے
 لوگوں سے ختم ہوا۔

بہرہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر
 اگر کہیں گے عدم الذکر عدم الوقوع کو مستلزم نہیں ہے طلاق ثلاثہ کے
 بارے میں جب تواتر کے خلاف امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے فیصلہ دیا، خواہ کسی
 مصلحت کی بناء پر یا عارضی سمجھو یا یوں کہو کہ امیر المؤمنینؓ نے رجوع کیا وغیرہ
 وغیرہ۔ مگر کسی صحابی سے اعتراض منقول ہے۔ تراویح عہد نبوی (ﷺ) سے لیکر
 خلافت فاروقیہ تک آٹھ رکعت کا صریح ثبوت ملتا ہے اور کسی صحابی سے معتبر سند
 سے آٹھ رکعت سے زیادہ ثابت نہیں جن سے ثابت ہے تو ثمان رکعت تک، امیر
 عمرؓ سے (۲۰) میں رکعت والی روایت صحیح نہیں شاذ ہے یا منقطع اور اب سوا

الجمہیث کے سب جگہ چاروں فرقوں میں سب شروں میں حتیٰ کہ حرمین کے اندر بھی پس (۲۰) پڑھی جاتی ہیں۔

خدا را بتائیے! کہ تواتر کیسے بدلا اور کیسے کم ہوا اور الجمہیث اب بھی الحمد للہ ہر جگہ آٹھ پڑھتے ہیں، اس لئے کہ حدیث سے اتنی ہی ثابت ہیں۔ اس طرح اسی مسئلہ میں خود آپ کچھ بھی کہیں کتنا ہی خلوا العصر ثابت کریں، مگر الجمہیث کا تو وہی عمل رہے گا جو کہ الفاظ حدیث سے ثابت ہوا، لا غیرہ۔

الثامن عشر: ہاتھ باندھنے کا مسئلہ تو درکنار خود قیام بعد الركوع کو دیکھئے رسول اللہ ﷺ کس قدر اس کو طویل کرتے تھے اس قیام میں کتنی طویل دعا پڑھتے تھے اور بعد میں بھی صحابہ میں اور سلف میں یہ عمل رہا۔ مگر اب اس طرح کا اہتمام اور اطمینان و طول اس قیام میں اور تو اور خود الجمہیثوں میں نہیں رہا ہے۔ ان کی مساجد اور جماعت کو جا کر دیکھیں الا ماشاء اللہ چند محدود ایسے ملیں گے جو اس قیام کو سنت کے مطابق ادا کرتے ہوئے۔ باللہ! جواب دیں کہ یہ حتیٰ تواتر اور قطعی الثبوت عمل کیسے کم ہوا اور کم بھی ایسا کہ قریب الحکم ہے پھر یہ سوال صحیح نہیں ہے۔

ناظرین! غور فرمائیں کہ قیام بعد الركوع کی مسنون کیفیت پر ہی تواتر نہ رہ سکا تو پھر ہاتھ باندھنے یا کھولنے پر تواتر کا نام لینا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔
التاسع عشر: جس طرح تفہیم الاسلام کے مصنف نے لکھا ہے کہ:
”صرف تواتر کافی نہیں ان احادیث کی بھی ضرورت ہے، جو کتبوں میں منضبط ہیں۔“

ہم بھی کہتے ہیں یہاں بھی صرف تواتر کا نام نہ لیں اور احادیث میں دیکھیں۔ ان میں صرف، باندھنے کا ذکر ہے اور ارسال کا نام و نشان تک نہیں۔ بس وہی عمل صحیح ہوگا جس کا ذکر حدیثوں میں ہوگا۔
العشرین: مسئلہ خلافہ ہے کئی لوگ باندھنے کے قائل رہے ہیں پس اختلاف کے

وقت حکم ہے کہ :

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (النساء: ۵۹)
 ”پھر اگر کسی معاملہ پر تمہارے درمیان جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور
 اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔“

اور احادیث میں صرف وضع کا ذکر ہے ، نہ کہ اور فعل کا۔ پس وہی فیصلہ
 ہوگا اور اسی پر عمل ہوگا اللہ تعالیٰ سب کو صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔
 الحادی والعشرون: یہ عمل یک لخت نہیں چھوڑا گیا جیسے جیسے قیام بعد الركوع
 میں طول کم ہوتا گیا آہستہ آہستہ یہ عمل چھوٹا گیا اسکی واضح دلیل یہ ہے کہ شروع
 سے لے کر آج تک کچھ نہ کچھ لوگ وضع الیدین بعد الركوع پر عامل رہے ہیں۔
 جس پر ہمارے رسائل شاہد ہیں۔

الثانی والعشرون: محدثین کرام نے باب اسلئے نہیں باندھے کہ دونوں قیاموں
 میں ہاتھ کی کیفیت ایک تھی، کوئی فرق نہیں تھا اس لئے ایک ہی باب پر اکتفا کی۔
 ہاں دعا اور قراءۃ کا صرف فرق تھا اس لئے ان دونوں کے لئے باب الگ رکھے
 جیسا کہ دو سجدوں میں کوئی فرق نہیں اس لئے ان کیلئے ایک ہی باب رکھا۔

الثالث والعشرون: یہ بھی کہنا غلط ہے کہ مذاکرہ میں اس سوال کا جواب نہیں دے
 سکے حالانکہ جواب دیا گیا تھا۔ الحمد للہ ! اور اق سابقہ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

پس جب یہ سوال نہ رہا تو انکا کہنا بھی صحیح نہیں ہوا۔ لہذا یہ کہنا صحیح
 نہیں ہے کہ رکوع کے بعد کبھی ہاتھ باندھے ہی نہیں گئے کیونکہ جس مقدمہ پر
 اسکی بناء تھی وہ گر گیا: فالمبنی علیہ مثله

الخامس والعشرون: پس یہ محض اندھیرے میں تیر مارنا اور رجما بالغیب کہنا ہے
 کہ قرنا بعد قرن عمل چلا آتا ہے آبائی تقلید نہیں ہے“

ان كنت لا تدري فتلك مصيبة

وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

السادس والعشرون: آپ تسلیم کرتے ہیں کہ متواتر اعمال میں بعض ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے ضد ہیں انہیں اس تواتر کی دلیل نہ ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے جو اس کو دلیل تسلیم کیا جائے۔
 وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء: ۸۲)
 ”اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔“

پس جو چیز مختلف فیہ ہو وہ حجت نہیں ہو سکتی۔ قرآن و حدیث میں اختلاف نہیں ہے، لہذا وہ اللہ کی طرف سے ہیں اور وہ حجت ہیں مگر لوگوں کا اجتہاد مختلف فیہ ہے لہذا ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں ہوتا۔
 السابع والعشرون: حتیٰ کہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ حلال و حرام میں بھی ایک دوسرے کے خلاف تواتر ہو سکتا ہے۔ تو پھر ان مسائل میں ایسے تواتر کا کیا اعتبار؟
 الثامن والعشرون: بھول آپ کے اس مضحکہ خیز اختلاف کو دور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان احادیث کو دیکھا جائے جو ہدایۃ محفوظ اور منضبط ہیں کہ آخر وہ کس کی تائید کرتی ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حدیثوں میں صرف وضع کا ذکر ہے۔ اگر کوئی حدیث قیام ثانی یعنی بعد الركوع کو اس سے مستثنیٰ کرتی ہے تو فہماور نہ ہاتھ باندھے ہی جائیں گے یہی اسلم طریقہ ہے۔

التاسع والعشرون: اسی طرح سلسلہ بنانا بھی کار آمد نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ ہاتھ باندھتے تھے تو صحابہ کرام بھی باندھتے ہوں گے پھر تابعین بھی باندھتے ہوں گے اور اس طرح سلسلہ چلتا رہا۔ میں کہتا ہوں اس کی کوئی ضرورت نہیں، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی مسائل میں جو تابعین سے قولاً خواہ عملاً اختلاف پایا جاتا ہے وہ اجتہاد کی بناء پر ہے۔ مثلاً مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو لیجئے جبکہ مشہور حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن۔ یعنی (سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں) صریحاً فاتحہ کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ مگر بایں ہمہ بعض صحابہ اور تابعین فرضیت کے قائل

نہیں تھے۔ دیکھیں جزء القراءة للبخاری وغیرہ۔

مگر محدثین اس اختلاف کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ حدیث کے الفاظ صاف ملتے۔

الثلاثون: اگر بالفرض کسی صحابی یا تابعی سے صریحاً ارسال بعد الركوع قولاً یا عملاً ثابت ہو جائے تو بھی مرفوع حدیث اذاکان قائماً (الحديث) کا عموم اس سے خاص نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اسی فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں جلد کے قول الاوراء الامام (ترمذی وغیرہ) سے حدیث لا صلوة خاص نہیں ہو سکتی اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک مشق کے بعد دائرہ کا کاٹنا نبوی عام حکم اعفوا للہی کو خاص نہیں کر سکتا۔ نیز علیؑ کا قول: لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع (ابن ابی شیبہ وغیرہ) اس سے جمعہ کا عام حکم خاص نہیں ہو سکتا۔

ایضاً حدیث الرقی والتماثل والقولۃ شریک (ابو داؤد، حاکم وغیرہ) کو کسی صحابی یا تابعی کے قول یا عمل سے اگر ثابت ہو جائے تو بھی خاص کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ پس اسی مسئلہ میں بھی اگر بفرض محال کسی صحابی یا تابعی سے قیام بعد الركوع ارسال ثابت ہو جائے تو بھی حدیث کے عموم کو خاص کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

الحادی والثلاثون: یہ امر مسلم ہے کہ کسی صحابی یا تابعی سے بعد الركوع ارسال صریحاً ثابت نہیں تو پھر ہمیں بھی کہنے کی اجازت دیجئے کہ ارسال بعد الركوع تواتر عملی کے خلاف ہے۔

ناظرین! اسی مقترض کی طرف سے ایک اور جواب جسکو ہم ناظرین کی عبرت کے لئے من وعن نقل کرتے ہیں۔ ایک عنوان قائم کرتے ہیں کہ:

”ترک رفع الیدین تاریخ کی روشنی میں“

پھر فرماتے ہیں کہ.....

صحابہ کرام کے دور ہی میں بعض مخالف اسلام تحریکوں نے جہنم لیا جن

میں خارجی اور سبائی تحریکیں سر فرست ہیں۔ ان تحریکوں نے اسلامی ریاست کو پارہ پارہ کرنے کی ہی کوشش نہ کی، بلکہ سب سے پہلا مسلم معاشرہ جسکی تربیت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اسکو بھی بدنام کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی بیخ کنی میں بھر پور کوشش کرتے رہے۔ قرآن و حدیث کو بے محل استعمال کرنا، قرآن و حدیث کے مقابلہ میں آرائے رجال کو پیش کرنا، متشابہات کی تاویلیں کرنا اور عقائد کو خراب کرنا، ان لوگوں کا خاص مشغلہ تھا۔ انہوں نے اسلامی عبادات اور قوانین میں بھی تبدیلی کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ صلوٰۃ جو دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے اسکو بھی انہوں نے بگاڑنے میں بھر پور زور لگایا اکثر نو مسلم ان کے فریب میں آگئے، فرقہ بندی کی ابتداء ہوئی اور اس طرح ایک اسلام کے کئی اسلام بن گئے۔

فرقہ بندی نے شخصی عقیدت کو پیدا کیا۔ شخصی عقیدت نے شخص پرستی کو جنم دیا۔ شخصیت پرستی نے تقلید شخصی اور جہود کیلئے راہ ہموار کی، فرقہ وارانہ مسائل کی حمایت میں حق پوشی ہونے لگی اور اسکے بعد حق کا انکار ہونے لگا۔ حتیٰ کہ یہ حمایت ترقی کرتے کرتے حمیت جاہلیت تک پہنچ گئی۔ حمیت اور جاہلیت کی بنیاد پر سنتوں کو چھوڑا جانے لگا۔ پورے اسلام کو کس کس طرح مسخ کیا گیا، یہ تو ایک طویل مضمون ہے۔ ہم صرف ترک رفع الیدین پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم اصل مضمون کی ابتداء کریں یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ترک سنن کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی اور صلوٰۃ کو عیثیت مجموعی کب اور کس طرح بدلا گیا۔

سنتوں کا ترک

عن انس قال ما اعرف شیئاً مما کان علی عهد النبی ﷺ، قیل: الصلّٰۃ؟ قال: الیس صنعتم ما صنعتم فیہا (صحیح بخاری کتاب المواقیب باب تزییع الصلّٰۃ عن وقتہا رقم الحدیث: ۵۲۹)

ایک دن انسؓ نے لوگوں سے فرمایا جو چیزیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھیں ان میں سے اب کوئی چیز نظر نہیں آتی لوگوں نے پوچھا (کیا) صلوٰۃ (بھی اس طریقہ پر نہیں ہے) انسؓ نے فرمایا: ”صلوٰۃ میں بھی تو تم لوگوں نے کیا کیا (تغیر و تبدل) کر دیا۔

عن عثمان قال: سمعت الزهري يقول: دخلت على انس بن مالك بدمشق وهو يبكي فقلت له، ما يبكيك؟ فقال: لأعرف شيئا مما أدركت الا هذه الصلاة، وهذه الصلاة قد ضيعت.

(صحيح بخارى كتاب المواقيت باب تضييع الصلاة عن وقتها رقم الحديث: ٥٣٠)

عثمان کہتے ہیں کہ میں نے امام زہری سے سنا وہ فرماتے تھے: ”میں (ایک دن) دمشق میں انسؓ سے ملنے گیا (میں نے دیکھا کہ) وہ رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپکو رلایا؟ انسؓ نے فرمایا کہ جو باتیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیکھی تھیں ان میں سے اب مجھے کوئی نظر نہیں آتی سوائے صلوٰۃ کے اور حقیقت یہ ہے کہ صلوٰۃ بھی ضائع کر دی گئی (یعنی وہ بھی اصلی حالت پر باقی نہیں رہی) امّ درداء کہتی ہیں :

دخل على ابو الدرداء وهو مغضب فقلت: ما اغضبك؟ فقال: واللّٰه ما اعرف من امة محمد ﷺ شيئا الا انهم يصلون جميعا.

(صحيح بخارى كتاب الاذان باب فضل صلاة الفجر فى جماعة رقم الحديث: ٦٥٠)

(ایک دن) ابو درداء غصہ کی حالت میں میرے پاس آئے میں نے کہا کس چیز نے آپکو غصہ دلایا ہے؟ ابو درداء نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں محمد ﷺ کی امت میں کوئی بات (اصلی حالت پر) نہیں پاتا سوائے اسکے کہ

یہ لوگ جماعت سے صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

مالک بن ابی عامر الاصبغی کہتے ہیں:

ما عرف شيئاً مما ادركت عليه الناس الا النداء بالصلوة (موطا

امام مالک۔ باب ماجاء فى النداء للصلوة ص: ۲۵ وسنده صحيح)

میں نے لوگوں کو (یعنی صحابہ کرام کو) جس حالت پر دیکھا تھا اس میں سے اب کسی چیز کو نہیں دیکھتا سوائے اذان برائے صلوٰۃ کے (وہ اپنی اصلی حالت پر موجود ہے)

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ عہد صحابہ و تابعین ہی میں عراق و شام وغیرہ ممالک کے اکثر لوگ سنتوں کو ترک کرنے لگے تھے۔ سنتوں کے ترک کو دیکھ کر صحابہ کرام کو بہت افسوس و صدمہ ہوتا تھا۔

سنتیں ترک کرانے کی کوشش

جلد بن سرہ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے کوفہ کے گورنر سعدؓ سے فرمایا:

لقد شكوك فى كل شىء حتى الصلاة قال اما انا فامد فى الاوليين

واحذف فى الاخيريين ولا الوما افتديت من صلاة رسول ﷺ قال

صدقت ذاك ظنى بك (صحيح بخارى باب يطول فى الاوليين)

کوفہ والوں نے ہر معاملہ میں تمہاری شکایت کی ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے

صلوٰۃ کے متعلق بھی تمہاری شکایت کی ہے (کہ تم صلوٰۃ سنت کے مطابق

نہیں پڑھتے) سعدؓ نے فرمایا میں پہلی دور کعتوں میں طول دیتا ہوں اور

آخری دو میں تخفیف کرتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں کسی

قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ عمرؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ تمہارے متعلق

میرا یہی گمان تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوفہ والے نہ یہ کہ خود سنت کے مطابق

صلوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے بلکہ صحابہؓ کو بھی مجبور کرتے تھے۔ کہ وہ بھی سنت کے خلاف صلوٰۃ ادا کریں۔ حتیٰ کہ گورنر پر زور ڈالتے تھے کہ وہ بھی سنت کے طریقے کو ترک کر کے انکا بموائن جائے۔

نئے نئے ملک فتح ہوتے جا رہے تھے۔ نو مسلمین کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی مرکز اسلام دار الهجرة مدینۃ النبی سے دوری کے باعث نو مسلمین کی اکثریت میں چنگل پیدا نہیں ہوئی تھی مختلف تخریبی تحریکوں کا شکار بھی یہی لوگ ہوتے تھے مزید برآں تنزل ایک فطری چیز تھی جتنا زمانہ گذرتا گیا اور نبوت سے بعد ہوتا چلا گیا اتنا ہی تنزل بڑھتا چلا گیا۔ جو جذبہ ایمان صحابہ کرامؓ میں تھا وہ تابعین میں باقی نہ رہا اور جو جذبہ ایمان تابعین میں تھا وہ تبع تابعین میں باقی نہ رہا۔ یہ تنزل تدریجی تھا لیکن فطرت کے عین مطابق تھا۔

صلوٰۃ کے طریقے میں 'بلکہ پورے دین کے معاملہ میں تدریجی طور پر تبدیلی آتی رہی۔ تنزل کی اس تیز رفتاری سے صرف ایک شہر محفوظ تھا، اور وہ تھا مدینہ منورہ۔ انسؓ دوسری جگہ لوگوں کی دینی حالت دیکھ کر روتے تھے لیکن وہی انسؓ جب کافی عرصہ کے بعد مدینہ منورہ واپس آئے تو ان سے سوال کیا گیا۔

ما انکرت منذیوم عہدت رسول ﷺ قال ما انکرت شیئا الا انکم لا

تقیمون الصفوف۔ (صحیح بخاری باب اثم من لم يتم الصفوف)

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی روشنی میں آپ ہم میں کونسی بات بری دیکھتے ہیں؟ انسؓ نے فرمایا: ”میں کوئی بری بات نہیں دیکھتا سوائے اسکے کہ تم صفیں سیدھی نہیں کرتے۔“

گویا مدینہ منورہ کے لوگ کافی عرصہ تک صحیح اسلام پر قائم رہے۔ مندرجہ بالا احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کے طریقے میں تبدیلی آرہی تھی اور مسنون طریقہ آہستہ آہستہ متروک ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اب ہم خاص رفع الیدین کے ترک پر روشنی ڈالتے ہیں۔ (صلوٰۃ المسلمین ص ۲۱۶ تا ۲۲۵ طبع مذکور)

قارنن كرام! اس عبارت كو پڑھن اور پڑھن ۛھر پڑھن اور غور فرمائن كه اب بهى اس دلىل كى كوئى حشثت رهئى هے؟ جب اس قسم كى تبدللاا قرن اول مىں هى هو چكى هئفن ءو ۛھر به سوال كسى كام كا نهفن رها۔ همفن واثن امفد هے كه همارے مرهان معترض بالقلب همارى ان معروضات كو پڑھ كر اۛنے خلالاا ۛر نظر ءانى فرمائن گے۔

والله الهادى الى سواء السبيل۔

تعارف

مكة الدعوة الفعالة

قیام : ۱۹۸۵ء میں جمیعت اہلحدیث سندھ

کے مرحوم امیر عطاء مہ سید بدیع الدین شاہ راشدی
کے مشورے سے ادارہ کا قیام عمل میں آیا

اغراض و مقاصد

- [illegible]

دُھنی شُھفیں

اسباب کی طرف سے تو اعلیٰ تعلیمی سطح کو مد نظر رکھتے ہوئے ادارہ پلانے کا جامع عمومی سہما ایجنٹ کی طرف سے ہونا چاہیے اور اس کے ذریعہ فروغ دے گئے گائیڈ مرکز قائم کیا ہے۔

جہاں پہلے دہائیوں کی ابتدا تھی، اسی اواخر میں اسلام کی ابتدا ہوئی۔ کچھ عرصہ پہلے اگرچہ کچھ ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہوئی تھی کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، لیکن یہ عرصہ نہ تھا کہ ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو کر ان کی تعداد کافی ہو گئی ہو۔

اور خطائے ان کی عقلی مسئلہ نہ ہو بلکہ ان کے اعتقادی مسائل میں صحیح اسلام اور میں شروع کیا ہے۔
انہی میں شروع حضرت کو اس مسئلے میں اور بعد سے مالی تعاون کی اپنی ہی جاتی ہے۔

